ضرورت نہیں ہوتی اور یہاں ایسے بیشے بنے ہیں جن کے متعلق سے بڑی بڑی فوجیں بھاگ کھڑی ہوتی ہیں۔"

عربی کے مشہور شاعر ابوالعلا معری سے متعلق ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری نے ایک محققانہ کتاب لکھی ہے جس میں انھوں نے بتایا ہے کہ وہ بھارت کے اکثر اہنسا وادی اصولوں سے بہت متاثر تھا۔ وہ گوشت مطلقاً نہ کھاتا اور اکثر برت رکھا کرتا تھا۔ اس نے یہ وصیت بھی کی تھی کہ اسے مرنے کے بعد دفن نہ کیا جائے بلکہ ہندوؤں کی طرح جلایا جائے۔ عربی ادب کے امام جاحظ نے ایک رسالہ گوروں اور کالوں کے متعلق لکھا ہے اس میں اس نے اہل ہند کے خصائل و شمائل، ان کے علوم و فنون اور ان کی صنعت و حرفت کا تذکرہ نہایت شاندار الفاظ میں کیا ہے:

"میں جانتا ہوں کہ اہل ہند نے علم ریاضی و ہیئت و نجوم میں بہت ترقی کی ہے۔ علم طب میں بھی ان لوگوں کو کمال حاصل ہے اور اس علم کے مخفی رازوں سے وہ اچھی طرح واقف ہیں۔ مشکل امراض کے علاج میں وہ بڑی مہارت رکھتے ہیں۔ سنگ تراشی، معماری، مصوری اور دوسرے فنون میں انھیں آخری درجہ کا کمال حاصل ہے۔ ان کی بنائی ہوئی رنگین تصویریں محراب اور دوسری عمارتوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان میں شطرنج کا اعلیٰ درجے کا کھیل رائج ہے۔ اس کے لئے دوسرے کھیلوں کی بہ نسبت عقل و فہم کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ یہ لوگ نہایت عمدہ چمکدار تلواریں بناتے ہیں۔ وہ بہترین شمشیر باز ہیں اور اس میں بڑی مہارت رکھتے ہیں۔ انھیں ایسے منتر معلوم ہیں جن سے جسم سے زہر کے آثار دفع کئے جا سکتے ہیں اور جہاں درد و دُکھ کا علاج کیا جاتا ہے۔ ان کا فن موسیقی بہت ہی دلفریب ہے

ان کے ایک باجے کا نام کنکولا ہے۔ یہ باجا کدو پر صرف ایک تار لگا کر بنایا جاتا ہے اور ستار اور جھانجھ کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔ ان کے ہاں مختلف قسم کے ناچ مروج ہیں۔ نیزہ بازی میں خاص کمال حاصل ہے۔ یہ لوگ فن . . . . سے بھی واقف ہیں۔ ان کا ایک خاص رسم خط ہے، جو مختلف زبانوں کے حروف پر بھی مشتمل ہے۔ اس رسم خط کے علاوہ دوسرے متعدد رسم خط بھی رائج ہیں۔ ان کے ادب میں طویل نظموں اور خطبوں کی کثرت ہے۔ فلسفہ اور ادب سے انھیں خاص ذوق ہے۔ کتاب کلیلہ و دمنہ (جو دراصل پنچ تنتر کا ترجمہ ہے) ان ہی سے ہم لوگوں کو ملی ہے۔ غرض یہ لوگ نہایت طبّاع اور مستعد ہوتے ہیں۔"

(رسائل الجاحظ ص ا طبع مصر ۳۲۴ھ)

جاحظ کے اس اقتباس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عربی ادب میں ہندوستانی فضا کی رنگا رنگی کا تصور کس قدر وسیع و ہمہ گیر ہے۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد یہاں کی فضا عربی ادب پر براہ راست اثر انداز ہو رہی ہے۔ ہندوستان کے رسم و رواج، فلسفہ، تہذیب و تمدن، ادب پر اور اہم شخصیتوں پر عربی میں مضامین، کتابیں اور نظمیں لکھی جا رہی ہیں۔ یہاں کی اکثریت مہاتما گاندھی، پنڈت نہرو، مولانا آزاد، رابندر ناتھ ٹیگور، اقبال اور اندرا گاندھی کا احترام کرتی ہے اور ان کے افکار و تاثرات سے غیر معمولی طور پر متاثر ہے۔

تنبیہ الغفول
ایک تعارف

جناب محمد صلاح الدین عمری - ریسرچ اسکالر، شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

زیر نظر مخطوطہ "تنبیہ الغفول فی اثبات اسلام آباء الرسول" کے مصنف قاضی ارتضا علی خاں خوشنود، انیسویں صدی کے ایک متبحر عالم اور باذوق فارسی و عربی شاعر ہیں۔

قاضی صاحب کی پیدائش قصبہ گوپامئو (ضلع ہردوئی، اودھ) کے ایک علمی گھرانے خاندان فاروقیاں میں ۱۱۹۸ھ مطابق ۱۷۸۳ء میں ہوئی۔ علوم دینیہ کے علاوہ قاضی صاحب کو دنیاوی علوم پر بھی عبور حاصل تھا۔ نیز آپ ایک صاحب طرز ادیب اور اچھے عربی و فارسی شاعر بھی تھے۔ آپ کی متعدد علمی تصانیف کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے جس موضوع پر لکھا اس میں اپنی تنقیدی و تحقیقی صلاحیتوں کے جوہر لٹائے ہیں۔ علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد آپ اپنے والد قاضی مصطفیٰ علی خاں بہادر فاروقی کے پاس مدراس چلے گئے تھے، جہاں ایک عرصہ تک درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ آپ کی علمی لیاقت کو سراہتے ہوئے وہاں کے نواب

نے آپ کو دارالافتاء کی ذمہ داریاں سونپ دیں۔ پانچ سال کے بعد چتوڑ میں حکومت کی جانب سے قاضی القضاۃ کے عہدہ پر سرافراز کیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد مفتی صدر عدالت کے منصب پر آپ کا تقرر ہوا اور پھر آپ کی بے پناہ علمی قابلیت کا اعتراف کرتے ہوئے حکومت نے آپ کو تمام ممالک محروسہ متعلقہ حکومت مدراس کے عہدۂ قضاء کی عظیم خدمت سپرد کردی۔ صاحب نزہتہ الخواطر نے آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"وکان رحمہ اللہ من کبار العلماء وانتہت الیہ رئاستہ العلم والتدریس بمدراس، انتفع بہ جمع کثیر من العلماء ولہ مصنفات مفیدۃ ممتعۃ۔"

(یعنی آپ کا شمار عظیم علماء میں ہوتا تھا، مدراس میں درس و تدریس کی سربراہی آپ ہی پر ختم ہوگئی۔ آپ سے علماء کی ایک بڑی تعداد نے استفادہ کیا ہے۔ آپ کی مفید اور نفع بخش تصنیفات بھی ہیں)۔

قاضی صاحب کی مستقل علمی تصانیف میں نفائس ارتضیہ، نقد الحساب، فرائض ارتضیہ، فوائد سعدیہ، مواہب سعدیہ، صلوٰۃ ارتضیہ، تنبیہ الغفول، رسالہ در امام مہدی علیہ السلام اور تصریح المنطق کے علاوہ بہت سی کتابوں کی شرحیں اور حاشیے بھی آپ نے لکھے ہیں۔ جن میں قصیدہ بردہ کی فارسی شرح مراصد ارتضیہ فی کواکب المضیئہ، منحۃ السراء فی شرح الدعاء المسمیٰ بکاشف الضراء، حاشیہ صدرا، حاشیہ میر زاہد، حاشیہ ہدایتہ الحکمۃ، حاشیہ جلالیہ، شرح چہل کاف، حاشیہ شرح مواقف، حاشیہ بر نفائس ارتضیہ وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ آپ کی یہ سب تصانیف کتب خانہ فاروقی، گوپامئو میں محفوظ ہیں۔ چند کتابوں کے علاوہ آپ کی بیشتر تصانیف غیر مطبوعہ ہیں۔ قاضی صاحب فارسی، عربی اور ہندی میں شاعری بھی کرتے تھے۔ خوشنود تخلص تھا۔ ایک فارسی دیوان بھی کتب خانہ فاروقی میں محفوظ ہے۔ عین ممکن ہے کہ آپ کی اور بھی علمی تصانیف مدراس کے

کسی کتب خانہ میں موجود ہوں۔

نیز حضرت کتاب تنبیہ الغفول بھی مخطوطہ کی شکل میں کتب خانہ فاروقیہ میں موجود ہے۔ اس کا اصل نسخہ تو فارسی زبان میں ہے لیکن اس کا ایک عربی ترجمہ بھی اسی نام سے کتب خانہ میں ہے۔ اگرچہ تعریج الاقلب (مصنفہ مولانا یاد الٰہی صاحب نقشبندی) میں قاضی صاحب کے تذکرہ کے تحت ان کی اس کتاب کو مطبوعہ لکھا گیا ہے لیکن کوئی تفصیل نہیں کہ کب کہاں اور کتنی تعداد میں طبع ہوئی۔ اس کا کوئی مطبوعہ نسخہ کتب خانہ فاروقی میں بھی موجود نہیں۔ کتاب میں جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے۔ آباء رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام کے بارے میں مدلل بحث کی گئی ہے۔ آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرۂ نسب بھی حضرت آدمؑ تک مرتب کیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد کتاب کو اس مسجع عبارت سے شروع کیا گیا ہے:

"جائیکہ تاجدار لولاک، وشہریار سریر افلاک، زبان فصاحت بیان بکلمہ
لا احصی کشاید، از دست وزبان کہ برآید کز عہدۂ شکرش بدر آید،
جل جلالہ عم نوالہ ودر مقامیکہ عرفان دعارج معارج ایقان نغزہ ما
عرفناک سر آید الخ"

تقریباً دو صفحوں کی اس تمہیدی عبارت کے بعد مصنف اپنا مقصد واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "بداں اے عزیز وفقك الله بالتقوى وايدك باتباع سنن الهدىٰ کہ باجماع اہل ایمان ایذار آں سرور انس وجاں، موجب نکال دنیا وخسران عقبیٰ است، واذیتے بالا تر ازیں نتواند بود کہ درحق آباد آں رسول اکرم کہ شریف ترین مخلوقات حسباً ونسباً از وے ظہور نیامدہ نسبت غلو وعذاب واستحقاق جہیم کردہ شود"

پھر وہ قرآن کریم کی آیت ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ واعد لھم عذابا مھینا (یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں، اللہ نے ان پر دنیا و آخرت میں لعنت بھیجی ہے اور ان کے لئے اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے) نقل کرنے کے بعد ذخائر العقبی کی حضرت ابوہریرہ رضی سے مروی ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ جب سُبیعہ بنت ابی لہب نے دربار رسالت میں شکایت کی کہ اے رسول اللہ! لوگ مجھے بنت حمالۃ الحطب کہتے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہوگئے اور فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ میرے اعزہ کو برا بھلا کہہ کر مجھے اذیت دیتے ہیں اور میری اذیت خدا کی اذیت کا موجب ہے ...... قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ جب سُبیعہ —— جس کے والدین یقیناً دوزخی ہیں —— کو ان الفاظ سے پکارنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی شدید اذیت پہونچاتا ہے تو آباء رسول —— جن کے بارے میں آثار صریحہ خاموش اور اخبار صحیحہ مشتبہ ہیں —— کے بارے میں اس قسم کا کوئی فیصلہ کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کس قدر اذیت ناک ہوگا۔ پھر وہ شیخ کمال الدین تمیمی سے نقل کرتے ہیں کہ کسی نے قاضی ابوبکر مالکی سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص والد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دوزخی کہتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ وہ ملعون ہے۔

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ "بدانکہ در اثبات ایں مقصد لطیف و مطلب ضعیف دو مسلک است۔"

(۱) پہلا مسلک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء و امہات کرام، اخبار صحیحہ اور آثار صریحہ کی رُو سے زمانۂ جاہلیت میں مروج زنا سے مبرا تھے اور پاک و صاف زندگی گذارتے تھے اور جو بھی ان صفات و خصائل حمیدہ سے متصف ہو

وہ شواہد پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ اس موقف کی دلیل میں ثابت کرتے ہوئے [illegible] اور

[illegible] کی احادیث بیان کرتے ہیں۔ خلاصہ حدیث یہ ہے کہ [illegible] حضرت [illegible]

سے ابونعیم نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدم کے وقت

سے ہی اللہ تعالیٰ مجھے پاک اصلاب سے، صاف، مہذب سے بتدریج پاک ارحام

میں منتقل کرتا رہا اور کسی نسب میں اگر دو فرقے ہوئے تو میں ان میں سے بہتر فرقہ

میں تھا۔ اسی طرح دیگر احادیث بھی تقریباً اسی مضمون کی شامل کی گئی ہیں۔

(۲) دوسرے مسلک کی تفصیل میں وہ لکھتے ہیں کہ آدم سے کنانہ تک سب ہی موحد تھے۔ پھر آدم سے نوح بن ملک بن متوشلخ بن اخنوخ یعنی ادریسؑ بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم سب ہی شریعت حقہ پر تھے اور بت پرستی نوح کے زمانہ میں رائج ہوئی۔ چنانچہ مستدرک، تفسیر ابن جریر اور ابن منذر وغیرہ میں آیۃ "کان الناس اُمۃ واحدۃ" (لوگ ایک ہی قوم تھے) کے سلسلہ میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ "آدم و نوح کے درمیان دس صدیاں گذریں ان صدیوں کے سب لوگ شریعت حق پر تھے پھر جب ان میں اختلافات ہونے لگے تو اللہ نے نبیوں کو مبعوث کیا۔" اس ضمن میں بھی مصنف نے تین روایتیں نقل کی ہیں پھر وہ لکھتے ہیں کہ اسی طرح نوح کے عہد سے لے کر ابراہیم بن تارخ بن ناحور بن شاروح بن اُراغو بن فالغ بن عابر بن شالخ بن اَرفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام تک کوئی بھی مشرک نہیں ہے۔ اس کو بھی وہ طبقات ابن سعد کی روایت سے ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "ان الناس من عہد نوح لم یزالوا بِبابل وھم علی الاسلام الخ" طوفان نوح کے زمانہ سے لوگ ہمیشہ بابل میں اقامت گزیں رہے اور سب کے سب شریعت اسلامیہ کے پیرو تھے۔ یہاں تک کہ ان کے بادشاہ نمرود بن کوش بن کنعان نے ان کو عبادت اصنام کی دعوت دی۔ اس مسلک میں بھی وجاہت و متانت